ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد ۵ ——— شمارہ ۱-۲

مارچ، اپریل سنہ ۱۹۹۰ء

* مدیر مسئول ——— نور محمد فلاحی

* مدیر ——— محمد اسمٰعیل فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرِ تعاون	۴۰ روپے
خصوصی تعاون	۱۰۰ روپے
غیر ممالک سے	۲۰ امریکی ڈالر
فی شمارہ	۴ روپے
اس شمارے کی قیمت	۲ ½ روپے

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

افضل نعیمی پریس برائے جمال پریس دہلی .... کاتب: خالد حسن رشید، عبد الرحیم اعظمی، اطہر فلاحی

قمر رام نگری

خیر مقدم ماہِ مکرم

آگیا رحمت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا
مژدۂ جنت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

بھوک میں بھی ایک تسکیں پیاس میں بھی اک مزہ
روح کی راحت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

جاگ کر راتوں کو پڑھتے ہیں تہجد کی نماز
ذکر کی لذت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

مطمئن رہتا ہے کتنا قلبِ محزوں ان دنوں
قلب کی فرحت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

بوڑھے، بچے، نوجواں سب میں ہے نیکی کی تڑپ
جذبۂ طاعت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

ہیں کھلے جنت کے در، دروازۂ دوزخ ہیں بند
خلد کی نعمت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

رہتا ہے ہر وقت مومن کو گناہوں کا خیال
تقویٰ کی عظمت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

کیا کہیں کتنا مزہ ہے سحری و افطار میں
اک نئی لذت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

رزق بڑھ جاتا ہے بیشک مومنوں کا ان دنوں
رزق کی برکت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

جس مہینہ میں ہوا قرآن نازل ہے یہی
رفعت و عظمت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

ساتھ دے قبر میں، کام آئے گی محشر میں جو
وہ بڑی دولت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

ہر طرف گونجی ہوئی ہے اللہ کی پھر صدا
نغمۂ وحدت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

تیس دن کے بعد عید الفطر اک انعام ہے
مژدۂ عشرت لئے پھر ماہِ رمضاں آگیا

نقوشِ حیاتِ نو

★ — اداریہ

کاش کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۳

★ — بحث و نظر

سجدۂ تعظیم — مولانا امین احسن اصلاحی — ۸

★ — تعلیم و تعلم

فتح الرحمان ایک تنقیدی مطالعہ — مولانا مسعود عالم قاسمی — ۴۰

★ — گوشۂ ادب

عزیز گھروی: جہادِ حرّیت کا مجاہد — عز الدین عزیز — ۴۲

تاریخ اردو کا ایک مختصر خاکہ — نور الہدیٰ فوق قاسمی — ۳۰

★ — حلقۂ ایماں — پروفیسر عبد المغنی، سکندر علی اصلاحی، ایم۔ آئی۔ شمسی — ۶۱

★ — شعر و نغمہ — دامنِ صغیر

نعت — قمر رام نگری

★ — اخبارِ علمیہ — ملک وسیم احمد — ۶۳

شاہ فیصل ایوارڈ

★ — جامعہ کے لیل و نہار — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۶۵

لجنۃ الفلاح الخیریہ کویت کے نمائندے جامعہ میں

بہی خواہانِ جامعہ کی خدمت میں — نائب ناظم جامعہ — ۶۹

شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات

میں ایک مسلمان ہوں اور سچا بھارتی، گنگ و جمن، وادی و برہمپتر اور گنگا گھرا کا دیش بھارت میرا وطن، مجھے اس کے ذرہ ذرہ سے پیار ہے، اس کی صبح سے پیار ہے اس کی شام سے پیار، اس کی بہاریں بھی اچھی اور اس کی خزاں بھی سہانی اور کیوں ایسا نہ ہو جبکہ اس کی دھرتی میری ہزار سالہ تاریخ کی امین اور میرے آباء و اجداد کی خواب گاہ ہے۔ جب کبھی میں اپنے گاؤں سے دور ہوتا ہوں اور وقفہ ذرا طویل ہوتا ہے، میرا دل مچلتا ہے، میرے قدم گاؤں کی طرف بڑھنے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں، میں اُڑ کر اپنے گاؤں پہنچ جانا چاہتا ہوں، گاؤں کی دھول اڑاتی کچی سڑک یاد آتی ہے، آسمان سے باتیں کرتا، صدیوں پرانا او دو پیپل اور اس کے کھیت اور جھونکے مجھے اشارے کرتے ہیں، میری نظروں کے سامنے مرحوم یعقوب فلاحی، ابو اللیث چچا، مرحوم بھیا اعجاز الرحمٰن کیوں نہیں آتے، نرسنگھ دادا، اگروڈ ہو کاکا اور گوپال جی بھائی اور دوسرے بہت سے کاکا اور بھائی نگاہوں میں گھوم جاتے ہیں، یہ میرا اپنا گاؤں ہے، اس کی مٹی چاند تاروں سے اچھی، کتنا پیارا اور کیسا حسین ہے یہ! کیا ممکن ہے کہ میں اس کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو نظر انداز کر سکوں۔

لیکن

میرے وطن کا ایک دوسرا رخ، نفرتوں کے شعلے، ہر چہار طرف نفرت ہی نفرت، پورا ملک بارود کے ایک ڈھیر پر کھڑا ہے، لسانی عصبیتیں، علاقائی عصبیتیں، نسلی عصبیتیں، مذہبی عصبیتیں اور نہ جانے کیا کیا اور کیسی کیسی خوفناک عصبیتیں اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی طرح کھڑی ہیں بارود اور پھر اُسے جنگل جانے کے لئے چمن کھلے نظر آگ سا ہوں، کا یہ ڈھیر پھٹا پڑ رہا ہے اور پورے ملک میں جنگل کی آگ کا سماں ہے۔ میرے بھارتی بھائیوں کو

کوئی یہ بات سمجھائے کہ جب بھی کہیں آگ لگتی ہے کوئی دکان جلتی ہے، کسی کا مال لٹتا ہے — مسلمان کا ہو کہ ہندو کا — میں پوچھتا ہوں کہ کس دیش کی دولت جلتی ہے، اور برباد اور تباہ ہوتی ہے پاکستان؟ بنگلہ دیش، امریکہ اور روس کی یا بھارت اپنے ملک کی! جب کوئی ظالم کسی کی جان لیتا ہے — خواہ ہندو کی جان ہو یا مسلمان کی — تو کیا بھارت کے دو ہاتھ اور دو پیر کم نہیں ہوتے اور کیا بھارت دو آنکھوں دو کانوں اور ایک دماغ سے محروم نہیں ہوتا! جب لٹیرے کسی کی عصمت پر ڈاکہ ڈال رہے ہوتے ہیں تو کس دیش کی پیشانی شرم سے جھکتی اور کس کی عفت و حیا اور پاکدامنی کا جنازہ اٹھتا ہے! میں حیران رہ جاتا ہوں لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ مرنے والا کون تھا، ہندو تھا یا مسلمان؟ شاید دونوں کا خون الگ الگ ہے! ایک کا سرخ ہے تو دوسرے کا سفید۔

آہ! ان فسادات نے کتنوں کی جانیں لیں، کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی مائیں لاوارث ہوئیں، کتنی عورتوں کے سہاگ لٹے اور کتنے باپ بڑھاپے کے سہارے سے محروم ہوئے اور یہ سب کچھ ظلم و بربریت کا یہ ننگا ناچ اس بھارت میں ہو رہا ہے جو رشیوں، منیوں اور دھرم گروؤں کا بھارت ہے، جو گاندھی کا بھارت ہے گاندھی جسے عدم تشدد کا نشان کہتے ہیں — وہ بھارت جو اہنسا کا علمبردار ہے، جہاں جانوروں کے کٹنے پر تو پابندی ہے لیکن آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کے سروں کو اڑانے پر کوئی پابندی نہیں۔

ملک میں ہونے والے حالیہ درجنوں فسادات کے بعد بھاگلپور کا یہ خونیں فساد بلکہ یکطرفہ نسل کشی کس بات کی غماز ہے؟ ۱۹۴۷ء سے اب تک کا سب سے زیادہ بھیانک، وحشیانہ فساد، جو ساری انسانی قدروں کو بہا لے گیا۔ اتحاد و محبت، انسانیت و شرافت کیا کچھ باقی رہی؟ کچھ بھی تو نہ بچا، وہ [illegible] آج جس کا مقدر [illegible] جس کی آنکھ [illegible] بار [illegible] میں [illegible] ہو کسے [illegible] کے بام و در لرزہ براندام، جس کے حسن پر غنڈوں نے وار کیا! [illegible] مجھے [illegible] میں جو [illegible] کا [illegible]، شرفا کے شہر جس سے [illegible]، آج وہی غنڈوں سے اس شہر اور اس کے شرفا کے [illegible] یہ شہر زبان حال سے کچھ کہنا چاہتا ہے، اسے اپنے شہریوں سے شکایت ہے لیکن آہ! وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں، کسی سے شکایت کرے، اپنا دکھڑا کسے سنائے اور کس سے کہے

اپنا مقدر [illegible] الحمد للہ! سینکڑوں افراد کا اجتماعی قتل عام اور وہ بھی جان و مال کے ان محافظوں کے ہاتھوں، جن کی حفاظت و تحویل میں وہ دیئے گئے تھے، ایک ایسا سنگین جرم ہے جس پر زمین شق ہو جاتی اور آسمان پھٹ پڑتا تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی، بعضوں لاشیں تڑپتی رہیں، تعفن اٹھتا، فضا مکدر ہوتی رہی، بچے بلکتے رہے اور آدم کے بیٹے بیٹیاں بے گور و کفن گنگا میں بہتے رہے۔

سیتا کی عصمت کے محافظ اگر مریم کی عصمت کو بچا نہ سکے تو انہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہ سیتا کی عصمت کے بھی لٹیرے ہیں۔ اگر رام کے پرستاروں کے سامنے انسانی خون یونہی بہتا رہا، تو پھر یہ اس رام [illegible] کا خون اور اس کے اصولوں اور قدروں کا خون ہے اور یہ اس سیکولرزم اس دستور اور اس پر [illegible] کی توہین [illegible] اور اس کی دھجی بکھیرنا ہے جس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔

ٹرینوں سے نہتے مسافروں کو اچک لینا اور ان کا خون بہا دینا یا اس پر خاموش رہنا کسی طور پر نہ رام سے محبت کی دلیل ہے اور نہ بہادری و جواں مردی کی علامت ہے۔

میں مایوس نہیں ہوں، یہ سرزمین انصاف پسند اور امن پسند شرفاء سے خالی نہیں ہوتی ہے اور خود اکثریتی فرقہ کے اندر بھی ایسے افراد کی کمی نہیں ہے۔ ان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ دبے دبے سے ہیں۔ برائیوں اور فساد پر کڑھتے تو ہیں مگر پتہ نہیں ان کی کیا مصلحتیں ہیں کہ وہ کچھ کر نہیں پاتے۔ آج ان ہی کے غور و فکر کے لئے بڑے ادب کے ساتھ کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے

۱۔ برائی اور فساد پر خاموش تماشائی بنے رہنا، در اصل اس میں شریک ہونا ہے، اگر کچھ لوگ اس ملک کی بنیاد کھود رہے ہوں اور ان کی کلائی نہیں پکڑی جائے تو ایسا نہیں ہے کہ اس کے انجام سے صرف مفسدین ہی دو چار ہوں گے بلکہ یہ فساد سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ اس حقیقت کو محسن انسانیت ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

"وہ شخص جو اللہ کے احکام کو توڑتا ہے اور جو اللہ کے احکام کو توڑتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اسے روکتا نہیں، اس کے مابین [illegible] کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے ایک کشتی لی اور قرعہ ڈالا، اس کشتی میں مختلف درجے ہیں، اوپر نیچے، چند آدمی اوپری حصہ میں بیٹھے اور چند نچلے حصہ میں، تو جو لوگ نچلے حصہ میں بیٹھے تھے وہ پانی کے لئے اوپر والوں کے

پاس سے گذرتے تاکہ سمندر سے پانی بھریں تو اوپر والوں کو اس سے تکلیف ہوا کرتی۔ آخر نیچے کے لوگوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کے پیندے کو پھاڑنے لگے۔ اوپر کے لوگ ان کے پاس آئے اور پوچھا تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور سمندر سے پانی اوپر جا کر ہی بھرا جا سکتا ہے اور تم ہمارے آنے جانے سے تکلیف محسوس کرتے ہو تو اب کشتی کے تختوں کو توڑ کر دریا سے پانی حاصل کریں گے۔ محسن انسانیت

۲۔ ناحق کسی انسان کی جان لینا، کسی فرد واحد کی جان لینا نہیں، پوری نوع انسانی کا گلا گھونٹنا ہے۔ اور کسی کو بچا لینا پوری انسانیت کو زندگی بخشنا ہے۔ نہ کسی کی جان لینا بڑا گناہ اور نہ کسی کو بچانا معمولی نیکی۔ فرماں روائے کائنات کا ارشاد ہے: من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعا۔ (جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔)

۳۔ تاریخ کے دفن سے گڑے ہوئے مردے اکھاڑنا اور ہندو مسلم نفرت کے بیج بونا کسی طرح کی خدمت نہیں، معصوم عوام کا استحصال، ملک کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور سیکولرزم کی بنیادیں ڈھانا ہے۔ نہ بابر مذہبی آدمی تھا، نہ رانا سانگا کو دھرم سے کوئی سروکار تھا۔ محمود غزنوی اور جے پال کی معرکہ آرائیاں، بابر اور ابراہیم لودی کی جنگیں اور پھر بابر اور رانا سانگا کی لڑائیاں قطعی دھرم اور مذہب کی بنیاد پر نہیں تھیں۔ یہ خالص سیاسی لڑائیاں تھیں، یہ مذہبی لوگ نہیں تھے۔ یہ طالع آزما سیاسی حکمراں تھے جنہوں نے اپنے اقتدار کے لئے سب کچھ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں طرف فوجوں میں ہندو مسلمان بھی تھے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اعلیٰ مناصب کے لئے بھی فرد و مذہب کی تخصیص نہیں تھی۔ اونچے عہدوں پر دونوں طرف بلا تفریق ہندو بھی تھے مسلمان بھی۔ یہ تو انگریزوں کی سوچی سمجھی پالیسی تھی کہ اس ملک میں صدیوں سے رہ رہے باشندوں کو باہم لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے بدگمانیوں کو فروغ دیا، نفرت کے بیج بوئے اور ہندو مسلم خلیج پیدا کی۔ آج بھی ہمارے نام نہاد سیاستدانوں اور فرقہ پرستوں کی یہی مجبوری اور کمزوری ہے، اس کے بغیر وہ اپنا الو سیدھا نہیں کر سکتے۔ اور اسی لئے وقتاً فوقتاً اس طرح کے مسائل پیدا کر کے اعتماد و

محبت کے شیشہ کو چکنا چور کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی کوششیں ایک سازش کے تحت ہیں اور ان کے نتیجے میں ہونے والے جھگڑے تھے جنہوں نے اس ملک کے دو ٹکڑے کئے اور پھر دو کے تین کئے اور معلوم نہیں آگے ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں، یہ آسام، یہ پنجاب، یہ کشمیر اور جھارکھنڈ کس بات کے اشارے ہیں؟ اگر اب بھی ہم نے نفرت کی فضا ختم کرنے، محبت و پریم پیدا کرنے، حق و انصاف کا ساتھ دینے اور ایک میز پر بیٹھ کر ایک دوسرے کو سمجھنے اور اپنے مسائل حل کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی تو نہیں معلوم ابھی اس ملک کے اور کتنے ٹکڑے ہوں گے اور یہ ہندوستان ہندوستان رہے گا یا قبرستان بنے گا۔

اگر آپ کے خیال میں ایسا ہوا ہے کہ ماضی میں مسلم حکمرانوں نے ظلم کیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن کس منطق، کس مذہب، کس عقل اور کس سنسکرتی کی بنیاد پر یہ درست ہو سکتا ہے کہ ایک زمانے کی کسی غلطی کی سزا دوسرے زمانے کے لوگوں کو دی جائے، نہ کوئی دھرم اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ عام عقل انسانی اسے قبول کرتی ہے۔

۴۔ دو شرابی، دو جواری اور دو غنڈے آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر ان کا تعلق کسی ایک ہی فرقہ سے ہے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر اتفاق سے دونوں دو فرقوں سے متعلق ہوئے تو دونوں فرقے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ حالانکہ عام حالات میں خود ان کے فرقے کے لوگ ان کے شر سے پریشان رہتے ہیں، یہ عصمتوں کے لٹیرے، یہ معصوم انسانوں کی جانیں لینے، اور عورتوں اور بچوں کو اغوا کرنے والے، یہ جواری یہ شرابی، ان کا تعلق آخر کس مذہب اور کس دھرم سے ہو سکتا ہے؟ یہ تو دھرم اور مذہب کے لئے کلنک کا ٹیکا اور ذلت کا داغ ہیں۔ پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ یہ ہر موقع پر ہیرو بن جایا کرتے ہیں؟

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس ملک سے محبت اور اس کے عوام سے خیر خواہی میں کیا گیا ہے۔ ہمیں اس ملک اور اس کے عوام سے محبت ہے، ہم سے اپنے ملک میں انسانیت اور شرافت کی یہ توہین دیکھی نہیں جاتی اور یقیناً آپ کا بھی ہردے اس پر تڑپتا ہوگا تو پھر آگے بڑھئے اور ظلم کی کلائی پکڑ لیجئے خواہ ظالم ہندو ہو کہ مسلمان، باپ ہو کہ بھائی، بیٹا ہو یا اور کوئی، یہی انسانیت، شرافت، دینداری اور یہی دیش بھگتی سب کا تقاضا ہے۔

سجدۂ تعظیم

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے نام ایک صاحب کا مکتوب آیا تھا جس میں انھوں نے سجدۂ تحیہ کے حق میں متعدد دلائل دے کر دریافت کیا تھا کہ ان دلائل کی بنا پر ایسے سجدے کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس کا اصولی اور مفصل جواب تحریر کیا ہے۔ اس سوال و جواب کو افادۂ عام کی غرض سے قارئین کے سامنے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اصل مکتوب عربی میں تھا جس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

سوال: میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر آیا سجدۂ تحیہ یعنی تعظیمی سجدے کا جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(ا) سجدۂ تحیہ کی اباحت پر متعدد آیاتِ قرآنی دلالت کرتی ہیں اور یہ آیات منسوخ نہیں ہیں جیسا کہ حاشیۂ صاوی میں ذکر کیا گیا ہے "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ"[1] میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو آیات اخبارات و واقعات کی قبیل سے ہیں وہ منسوخ نہیں ہو سکتیں اور فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی ایک واقعہ ہے لہٰذا اس سے متعلق آیات منسوخ نہیں ہیں۔

(ب) عبدالرحمن بن محمد الدمشقی نے اپنے رسالہ "ناسخ و منسوخ" میں پچاس ایسی سورتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔ ان میں ام الکتاب، سورۂ یوسف، سورۂ یٰس ... شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ یوسف کی آیت "وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا"[2] بھی منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] حجر ۱۵: ۳۰ [2] یوسف ۱۲: ۱۰۰

(ج) "مسلم الثبوت" میں کہا گیا ہے "اذا نسخ الوجوب بقي الجواز" (جب وجوب منسوخ ہو جاتا ہے تو جواز اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے)۔ اس لیے اگر مذکورہ بالا آیات کو منسوخ سمجھا جائے تب بھی سجدۂ تحیہ کی اباحت قائم رہے گی۔

(د) فتاویٰ قاضی خان میں ذکر ہے "الاصل في الاشياء الاباحة" (اشیاء میں اصل اباحت ہے)۔ اس لیے چونکہ سجدۂ تحیہ کے عدم جواز میں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے یہ مباح ہوگا۔

(ہ) صاحب ہدایہ کا قول ہے: "الا انه لم يجد فيه نصا قاطعا، فلم يطلق عليه لفظ الحرام" (البتہ اس بارے میں کوئی نص قاطع نہیں ملی، اس لیے لفظ حرام کا اطلاق نہیں ہو سکتا)۔ چونکہ اس بارے میں کوئی نص قاطع ناسخ نہیں ہے اس لیے تعظیمی سجدہ جائز ہوگا۔

(و) فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۶۸ میں یہ عبارت موجود ہے: "قال الامام ابو منصور: اذا قبل احد بين يدي احد الارض او انحنى له او طأطأ رأسه فلا يكفر لانه يريد تعظيمه لا عبادته" (امام ابو منصور نے فرمایا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کے سامنے زمین بوسی کرے یا اس کے لیے جھکے یا سر جھکائے تو وہ کافر نہیں ہو جائے گا کیونکہ اس کا مقصود تعظیم ہے نہ کہ عبادت)۔ اس قول کی بنا پر میرا خیال ہے کہ سجدۂ تحیہ مباح ہے۔

(ز) علامہ قطر کاذلی کا قول بھی سجدۂ تحیہ کے لیے کافی دلیل ہے:

"ما كان السجدة لها اطرقان ... قال ابن عباس سجدة التحية بمنزلة السلام ولا بأس بوضع الخدين بين يدي الشيوخ. السجدة اثنان سجدة عبادة و سجدة التحية. فالاول خاصة لله تعالى والثاني بوجه الكريم [illegible] خاصة عن جواز القيام للنبي واضربه الشيخ والسرعية [illegible] والوالدين [illegible] في [illegible] انما [illegible] الانسان سجدة [illegible] لا يكفر. هذا كله في [illegible] و [illegible]"

کافی:

"سجدہ دو قسم کا ہے ... ابن عباس کا قول ہے کہ سجدۂ تحیہ بمنزلۂ سلام ہے اور بزرگوں کے سامنے رخساروں کے ٹیک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سجدے دو طرح کے ہیں ایک سجدۂ

عبادت، دوسرا سجدہ تحیہ۔ پہلا اللہ کے لیے خاص ہے، دوسرا تاریخی مواقع پر بطور تکریم جائز ہے۔ قوم کا اپنے نبی کے لیے، مرید کا اپنے شیخ کے لیے، رعیت کا بادشاہ کے لیے، اولاد کا والدین کے لیے اور غلام کا آقا کے لیے۔ ان تمام صورتوں میں سجدہ کرنے کی رخصت ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کے لیے ہو۔ ایسی صورت میں تکفیر نہیں کی جائے گی۔ قاضی خان، مضمرات، تیسیر، سراجی، دفانی اور کافی میں یہ مضامین موجود ہیں۔

(ح) جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے:

لو کنت اٰمر احدًا ان	"اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی
یسجد لاحد لأمرت	کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند
المرأة ان تسجد لزوجها ولکن	کو سجدہ کرے لیکن کسی بشر کو نہیں چاہیے
لاینبغی لبشر ان یسجد لغیر اللہ"	کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے"

اس کے بارے میں محقق عبدالحق دہلوی نے 'اشعة اللمعات' میں فرمایا ہے کہ اس سے نسخ کتاب جائز نہیں اور 'لاینبغی' کے لفظ سے قطعی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ حدیث مذکور میں سجدۂ ممنوع کا ذکر نہیں۔ اس لیے سجدۂ تعظیمی اس اصولی قاعدے کے مطابق مباح ہوگا کہ: "المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل" "جب ایک مطلق شے کا علی الاطلاق ذکر ہو تو اس سے مراد اس شے کی کامل شکل ہوتی ہے۔"

(ط) 'فوائد الفواد' نظام الدین اولیا، سیر الاولیاء میں بھی سجدۂ تحیہ کے جواز کی بحث ہے اور جلال الدین رومی نے بھی فرمایا ہے:

سرکش اندر دوست واسجد واقترب

ان کتب کا بھی ملاحظہ کر کے جواب دیں:

جواب: جو لوگ مذکورہ آیات کی بنا پر سجدۂ تحیہ و تعظیم کو جائز سمجھتے ہیں ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن سے استنباطِ احکام کے طریقے سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب قرآن میں آدم کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم اور ان کا سجدہ کرنا موجود ہے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ ان کے والدین اور بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آیتیں منسوخ ہوں تو پھر سجدۂ تحیہ کے جواز میں کلام کی کیا گنجائش ہے؟

اس میں شبہ نہیں کہ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" والی آیت منسوخ ہے اور نہ سورۂ یوسف کی آیت "وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا" منسوخ ہے۔ یہ آیتیں بیانِ واقعات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کے منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نسخ اگر واقع ہوتا ہے تو احکام و قوانین میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اخبار و واقعات میں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں یا بعض جگہ پچھلی شریعتوں کے جو حوالے آگئے ہیں، کیا وہ مجرد اتنی بات سے کہ وہ قرآن میں مذکور ہوئے ہیں، اس امت کے لیے شریعت کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں؟ یا اس امت کے لیے ان کے شریعت بننے کے لیے کچھ اور شرطیں بھی ہیں۔ میرا نقطۂ نظر اس طرح کے تمام واقعات اور حوالوں سے متعلق یہ ہے کہ یہ مجرد قرآن میں مذکور ہو جانے کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے لیے شریعت نہیں بن سکتے بلکہ کتاب و سنت کی دوسری تصریحات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس طرح کے ضمنی واقعات و اشارات سے جو تعظیم نکلتی ہے وہ اس امت میں کس حد تک مطلوب ہے اور کس حد تک مطلوب نہیں ہے۔

قرآن میں حضرت آدم کے ایک بیٹے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کو ان کے بھائی نے قتل کر دینے کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا کہ میں تو تم پر قتل کے ارادے سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا خواہ تم مجھے قتل ہی کر ڈالو، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محض اس خدمت کے معاوضہ میں کر دیا کہ وہ ایک خاص مدت تک ان کی بکریاں چرائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان کی قوم کے غنڈوں نے جب ان کے مہمانوں کی فضیحت کرنی چاہی تو انھوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو میری لڑکیوں کے ساتھ کرو، خدارا میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ فوج کی پریڈ کے موقع پر ان کی نمازِ عصر قضا ہو گئی تو انھوں نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر گھوڑوں ہی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سورۂ کہف میں ایک نیک بندے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے اس بنا پر ایک بچے کو قتل کر دیا کہ انھیں علم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کا نافرمان ہوگا، اور

ایک کشتی میں اس بنا پہ سوراخ کر دیا کہ انھیں اندیشہ ہوا کہ اس دیار کا بادشاہ کہیں اس کشتی کو قبضے میں نہ کر لے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے واقعات ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور بطریق مذمت نہیں بیان ہوئے ہیں بلکہ بطریق مدح بیان ہوئے ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا محض اس بنا پر کہ یہ واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں یہ اس امت کے لیے قانون اور شریعت بن جائیں گے؟ اور ایک شخص کے لیے یہ بات جائز ہو جائے گی کہ اگر وہ اپنے کشفی علم سے کسی بچے کے بارے میں یہ معلوم کرے کہ یہ نافرمان اٹھے گا تو اسے قتل کر ڈالے، یا اس کی کوئی چیز اس کے لیے فتنہ کا سبب بن جائے تو اس کو تباہ کر ڈالے یا کوئی شخص اس پر حملہ آور ہو تو اپنے آپ کو بے چون و چرا اس کے حوالے کر دے؟ ظاہر ہے کہ ان سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور نفی میں جواب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں، جہاں تک منسوخ ہونے کا تعلق ہے اس کا تو، جیسا عرض کیا گیا، یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ تمام آیتیں بیانِ واقعات و اخبار سے تعلق رکھنے والی ہیں اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اخبار و واقعات میں نسخ واقع نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب نفی میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجرد ان واقعات کا قرآن مجید میں بیان ہو جانا ہی اس بات کے لیے کافی نہ تھا کہ یہ اس امت کے لیے شریعت اور قانون کی حیثیت حاصل کر لیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں اس طرح کے واقعات کا حوالہ آیا ہے اس حیثیت سے آیا ہی نہیں ہے کہ یہ اس امت کے لیے بطور تعلیم و ہدایت کے بیان کیے جا رہے ہوں بلکہ دوسری اصولی تعلیمات کے سلسلہ میں ان کا ذکر ضمناً آ گیا ہے۔ ان ضمنی طور پر بیان شدہ واقعات سے اگر کوئی تعلیم نکلتی ہے تو وہ اس امت کے لیے اسی صورت میں ہدایت اور شریعت کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب کتاب و سنت کی دوسری تصریحات سے بھی اس بات کی تائید ہو جائے کہ اس تعلیم کو اس امت کے اندر بھی باقی رکھنا شارع کو مطلوب ہے یا کم از کم یہ کہ کوئی بات اس کے خلاف نہ پائی جائے۔ لیکن اگر دوسری تصریحات اس کے خلاف ہوں تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ اس امت میں اس تعلیم کو باقی رکھنا شارع کو مطلوب نہیں ہے۔

اگر اس طرح کی کوئی تصریح خود قرآن میں ہو تو وہ تصریح اس اشارہ پر مقدم ہو جائے گی جو اس

واقعہ سے نکل رہا ہے۔ اس سبب سے نہیں کہ یہ تصریح ناسخ کی حیثیت رکھتی ہے، نسخ کا تو جیسا کہ اوپر گزرا واقعات کے سلسلہ میں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس تصریح کی حیثیت اس امت کے لیے بیانِ ہدایت کی ہے اور مقدم الذکر واقعہ محض کسی اصولی تعلیم کے سلسلہ میں ضمناً بیان ہوا تھا اس کی حیثیت اگر کچھ تھی تو محض ایک اشارے کی تھی لیکن جب ایک چیز کے بارے میں صاف تصریح وارد ہو گئی ہے تو پھر اس کے بارے میں کسی اشارے کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

اور اگر یہ تصریح قرآن کے بجائے حدیث میں ہو تو بھی اسی کو تقدم حاصل ہوگا۔ اس کے مقابل میں یہ حجت نہیں پیش کی جا سکتی کہ حدیث قرآن کو کس طرح منسوخ کر سکتی ہے؟ یہاں منسوخ کرنے کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ منسوخ کرنے کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی حکم موجود ہو۔ یہاں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ جو کچھ موجود ہے اس کی حیثیت محض ایک واقعہ کی ہے جو پچھلی امتوں میں سے کسی امت میں یا سابق انبیاء میں سے کسی نبی کی زندگی میں پیش آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس امت میں یہ بات بعینہٖ اسی شکل میں مطلوب ہے یا نہیں؟ تو اس کی وضاحت قرآن بھی کر سکتا ہے اور حدیث بھی کر سکتی ہے۔ قرآن کے کسی واضح حکم کو منسوخ کرنے کے لیے تو بلاشبہ حدیث ناکافی ہے لیکن پچھلی امتوں یا سابق انبیاء میں سے کسی کی تعلیم کو یا کسی روایت کو منسوخ کر دینے کے لیے تو حدیث بالکل کافی ہے۔ بے شمار معاملات ایسے ہیں جن میں ہم جانتے ہیں کہ سابق انبیا کی تعلیم کچھ اور تھی اور ہمارے نبی کریم نے ہمیں اس کی جگہ کوئی اور ہدایت فرمائی اور ہم بے چون و چرا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ عذر نہیں پیش کرتے کہ کسی سابق نبی کی تعلیم کو حدیث کس طرح منسوخ کر سکتی ہے۔

دونوں آیتوں کی صحیح تاویل

یہاں تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ مسئلہ پر اصولی بحث تھی۔ اب ہم ان دونوں آیتوں پر الگ الگ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں جن کو سجدۂ تحیت کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

پہلی آیت جو پیش کی گئی ہے وہ سورۂ بقرہ کی آیت "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" ہے۔ اس آیت کو اول تو سجدۂ تحیت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، فرشتوں نے آدم کو نہ سجدۂ تحیہ

گیا تھا اور شان کو سجدۂ تحیہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی اطاعت و وفاداری کا ایک امتحان تھا کہ وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں ایک ایسی مخلوق کو سجدہ کرتے ہیں یا نہیں جو خلقت کے اعتبار سے بظاہر ان سے فروتر ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق و مالک کل ہے، وہ جس کو چاہے کسی کے سجدے کا حکم دے سکتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل میں جو سجدہ کیا جائے گا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ ہوگا، کسی غیر کو نہیں ہوگا۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس امتحان میں پورے اترے، انھوں نے بغیر کسی اظہارِ انانیت کے اس حکم کی تعمیل کی۔ صرف ابلیس نے اپنی برتری کے زعم میں اس حکم سے سرتابی کی اور اس جرم میں وہ راندہ گیا۔ ثانیاً اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ سجدہ سجدۂ تعظیم و تحیہ کی نوعیت کی کوئی چیز تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوگی وہ یہ ہے کہ فرشتوں کے لیے انسان کا سجدۂ تحیہ حکم خداوندی کے تحت جائز ہے نہ کہ انسان کا سجدۂ تحیہ انسان کے لیے حکم خداوندی کے بغیر آپ ہی آپ اس سے جائز ثابت ہوگا۔ انسان تو اس واقعہ سے من حیث النوع ایک برتر اور مسجود ملائک مخلوق ثابت ہوتا ہے اور اس کا ایک ایک فرد اس شرف میں برابر کا شریک و سہیم ہے، پھر اس کے کسی فرد کے لیے یہ بات کس طرح جائز ہوگی کہ وہ اپنی ہی نوع کے کسی دوسرے فرد کے لیے سجدۂ تحیہ بجا لائے؟ اس واقعہ سے اگر ثبوت ملتا ہے تو انسان کے مسجود ہونے کا ملتا ہے، اس کے غیر اللہ کے سامنے ساجد ہونے کا تو کوئی ادنیٰ اشارہ بھی اس سے نہیں نکلتا۔

دوسری آیت سورۂ یوسف کی آیت ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر جانا بیان ہوا ہے۔ اس آیت کے بارے میں عرض ہے کہ اول تو بعض مشہور مفسرین جن میں امام رازی بھی شامل ہیں اس آیت کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے سجدۂ تحیہ کی ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کی عام تاویل ہی لی جائے جب بھی اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تحیت کے لیے سجدہ کرنے کا رواج تھا، میرے نزدیک یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس سجدہ سے مراد محض یہی ہے کہ کسی کے آگے جھک جانا ہے، اس سے وہ سجدہ مراد نہیں ہے جس کی نمایاں خصوصیت پیشانی کو زمین پر ٹکا دینا ہے اور جو ہمیشہ سے تمام آسمانی مذاہب میں خدائے عزّوجل

ہی کے لیے مخصوص مانا گیا ہے۔ سجدہ کا لفظ چونکہ عربی زبان میں سر جھکانے سے لے کر زمین پر سر رکھ دینے "وضع الجبهة على الارض" تک کے وسیع مفہوم پر حاوی ہے اس وجہ سے یہ لفظ تورات اور قرآن دونوں میں سر جھکا دینے سے لے کر ماتھا ٹیک دینے تک کے ہر درجے کے مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض واقعات کا ذکر ہوا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تعظیم بجا لانے کے لیے انھوں نے سر جھکایا۔ اس سر جھکانے کا مفہوم تورات کے اردو ترجموں میں "جھکنے" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ میں (bow) کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے اور عربی ترجمہ میں یہی مفہوم "سجد الى الارض" کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم تو "وضع الجبهة على الارض" ہے جو ہماری اس سجدہ کی اصل صورت ہے لیکن بعض جگہ یہ اپنے لغوی مفہوم میں محض سر جھکانے کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہوا ہے مثلاً فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (بقرہ ۵۸) "پس کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو فارغ البالی کے ساتھ اور داخل ہو شہر عبادت کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے"۔ بالکل اسی طرح سورۂ یوسف والی آیت میں بھی یہ لفظ اپنے عام لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس سے ہمارے اصطلاحی سجدہ کے بجائے وہ سر جھکانا مراد ہے جس کا بنی اسرائیل میں عام طور پر رواج رہا ہے اور جس کی مثالیں قدیم زمانہ سے دوسری قوموں میں بھی ملتی ہیں۔

بہرحال سورۂ یوسف کی آیت میں جس سجدے کا ذکر ہے اس سے مراد محض سر جھکا کر تعظیم بجا لانا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص لفظ سجدہ کے اس لغوی مفہوم سے ناواقفیت یا بنی اسرائیل کے مجلسی آداب سے بے خبری کے سبب سے اس بات پر اصرار ہی کرے کہ اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو ہم نمازوں میں کرتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتا ہے یہی تو ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تکریم کے لیے سجدے کا طریقہ رائج تھا۔ اس سے یہ استدلال تو کسی صورت میں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہی طریقہ اسلام میں بھی جائز یا پسندیدہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یا ان کے بیٹوں کے کسی فعل کو اسلام میں جائز یا مستحب ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دلیل دی جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق تو قرآن مجید سے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا۔ لیکن محمد ان کے بعد اسلام میں اونٹ کا گوشت حرام نہیں ہو گیا بلکہ اس کی قربانی اسلام میں بہترین قربانی قرار دی گئی۔ کیونکہ اس معاملہ میں فیصلہ کن دوسری آیات بھی اور ان سے اونٹ کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ اس کی حرمت

سجدے سے متعلق قرآنی تصریحات

اب آئیے دیکھیے کہ سجدے سے متعلق اس امت کو نفی یا اثبات کی صورت میں جو احکام دیے گئے ہیں ان سے کہیں بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کر سکتا ہے۔ پہلے قرآن کی تصریحات ملاحظہ فرمایئے، اس کے بعد ہم احادیث پیش کریں گے۔

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (فصلت: ٣٧)	"سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔"
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ (الحج: ١٨)	"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔"
وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (الرعد: ١٥)	"اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خواہ با خوشی خواہ با مجبوری۔"
إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (الاعراف: ٢٠٦)	"جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے اعراض نہیں کرتے بلکہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔"

سجدے سے متعلق بے شمار آیات ہیں جن سے یہ چند آیتیں ہم نے نقل کی ہیں۔ کیا ان کو پڑھ کر کوئی معقول آدمی بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ اسلام میں یہ غیر اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لیے بھی جائز ہو سکتی ہے؟

سجدے سے متعلق احادیث کی تصریحات

اب آئیے چند احادیث بھی ملاحظہ فرمایئے:-

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو وہاں عیسائیوں کو انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں کو سجدے کرتے ہیں۔ وہ جب وہاں سے لوٹے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا: معاذ یہ کیا؟ انھوں نے کہا: میں نے اہل شام کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ، یا رسول اللہ، اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ "لو كنت آمر احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها لعظم حقه عليها" "اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے سجدے کا حکم دینے والا ہی ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس کا حق اس کے اوپر بہت بڑا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث سلمان رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ حضرت سلمان ابھی نئے نئے اسلام سے آشنا ہوئے تھے۔ اسلام کے مزاج اور اپنی قومی روایات کے مزاج کے فرق کو ابھی طرح سمجھ نہیں پائے تھے کہ ایک روز انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں کہیں دیکھا اور آپ کو سجدہ کر دیا۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "لا تسجد لي يا سلمان واسجد للحي الذي لا يموت" "اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، بلکہ اس زندہ خدا کو سجدہ کرو جو کبھی مرنے والا نہیں ہے۔"

یہ دونوں حدیثیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۂ یوسف کی زیر بحث آیت کے تحت نقل کی ہیں۔ ابن کثیر کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ بغیر تنقید کے حدیثیں نقل نہیں کرتے۔ ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ اس زمانہ میں سجدۂ تحیہ کا رواج اگر تھا تو عیسائیوں اور مجوسیوں میں تھا۔ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے تھے۔ اسی رسم سے متاثر ہو کر حضرت معاذ اور حضرت سلمان نے بھی آپ کو سجدہ کرنا چاہا، لیکن حضور نے ان کو منع فرما دیا کہ اسلام میں سجدہ صرف خدائے حی لایموت ہی کے لیے ہے، اس کے سوا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ امر اچھی طرح واضح تھا کہ معاذ یا سلمان نے آپ کو جو سجدہ کیا ہے وہ آپ کو خدا سمجھ کر بہ عبادت نہیں کیا ہے بلکہ محض سجدۂ تحیہ کیا ہے، لیکن پھر بھی آپ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا